جو مسئلہ سمجھ میں نہ آئے وہ کسی مستند و ماہر مفتی سے معلوم کر لیں۔۔ (ابوزبیر)

آپ کے مسائل اور اس کے جوابات (39)

از مفتی محمد صاحب

دارالافتاء، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی

مضامین:

- ☆ کیا مصیبت اور تکلیف صرف بداعمالی کا نتیجہ ہوتی ہے؟
- ☆ اولیاء اللہ کا صحیح مفہوم اور ان کا مرتبہ و مقام
- ☆ رشتے طے کرنے میں عوام کا رواج اور اسلامی تعلیمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا مصیبت اور تکلیف صرف بداعمالی کا نتیجہ ہوتی ہے؟

سوال: ایک حدیث میں پڑھا کہ مسلمان کو اگر کوئی بیماری، تھکاوٹ، فکر و غم یا تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرماتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

ضربِ مؤمن میں ''علم کے مطابق عمل کیوں نہیں ہوتا؟'' کی آخری قسط میں قرآن پاک کی آیت ﴿وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ﴾ جو مصیبت اور تکلیف بھی تمہیں پہنچتی ہے، جو آفت تم پر آتی ہے وہ تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔

آج کل بہت سے لوگ طویل عرصے سے بیماری کے بستر پر لاعلاج پڑے رہتے ہیں جس سے اس کے گھر والے بھی تنگ آچکے ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نے اتنا ظلم کیا تھا، اس نے سود کھایا تھا، اس نے کسی کا حق دبایا تھا، اب اس کی سزا کاٹ رہا ہے۔ خدا کی پکڑ میں ہے وغیرہ۔ اس طرح کے جملے بولتے رہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حدیث کے مطابق ایسے لوگوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور قرآن پاک کی آیت کے مطابق یہ ان کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تو ان دو باتوں میں بظاہر تضاد ہے اس لیے برائے مہربانی وضاحت فرمائیں کہ طویل بیماری مغفرت ہے یا عذاب؟

(واحد بخش۔ مہر شاہ)

جواب: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان پر اُس کی بداعمالیوں کی وجہ سے بھی آزمائشیں آتی ہیں، مگر یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ کبھی اگر انسان تکلیف آنے کے بعد اس پر صبر کرے اور جزع فزع سے کام نہ لے تو اس کو تکلیف پر اجر بھی ملتا ہے۔ ان دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ صبر پر بے حساب اجر کا وعدہ بھی خود قرآن ہی سے ثابت ہے۔ نیز یہ ضروری نہیں کہ آنے والی مصیبت گناہوں کا وبال ہی ہو،

نیک لوگوں پر بھی مصیبت آتی ہے، چنانچہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کسی بندے کیلئے کوئی بلند مقام مقرر فرما لیتے ہیں، مگر اُس بندے کے نیک اعمال اتنے نہیں ہوتے کہ وہ اس مقام تک پہنچ پائے تو اللہ تعالیٰ اس پر تکلیف بھیج کر اس کو صبر کا موقع دیتے ہیں اور جب وہ اُس تکلیف پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ صبر کی وجہ سے اس کے درجات بلند فرما کر اس کو اُس مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تکلیف ہمیشہ گناہوں کی وجہ سے نہیں آتی، بلکہ کبھی رفع درجات کے لیے بھی آتی ہے، اس لیے جو شخص کسی بیماری وغیرہ تکلیف میں مبتلا ہو اس کے بارہ میں بدگمانی کرنا یا سوال میں مذکورہ باتیں کرنا جائز نہیں۔ البتہ خود تکلیف میں مبتلا شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ توبہ واستغفار کا اہتمام کرے یہ خیال کر کے کہ ہوسکتا ہے یہ تکلیف میرے کسی گناہ کا نتیجہ ہو۔

اولیاء اللہ کا صحیح مفہوم اور ان کا مرتبہ و مقام:

سوال: ولی اللہ کسے کہتے ہیں؟ اس کا صحیح شرعی مفہوم کیا ہے؟ کیا ان کا مقام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کے بعد آتا ہے، ان کی (ولی اللہ کی) تعلیم و تربیت کا ماخذ کیا ہوتا ہے؟ (یعنی یہ ہستیاں کہاں سے تعلیم حاصل کرتی ہیں؟) حضرت علی ہجویری، معین الدین چشتی اجمیری، نظام الدین اولیاء، لعل شہباز قلندر، شاہ عبداللطیف المعروف امام بری رحمہم اللہ جیسی ہستیاں زیادہ تر برصغیر ہی میں کیوں نظر آتی ہیں؟ اور ان کے مزارات مرجع خلائق ہیں جبکہ شرعی طور پر مزار کی حیثیت بھی ایک سوال ہے؟ ان کے مزارات پر عرس وغیرہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وہاں یہ لوگ ایک عقیدت سے لنگر کھاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

لب لباب یہ ہے کہ ولی اللہ کا صحیح مقام کیا ہے اور ہمیں ان سے متعلق کیا عقیدہ اور کیا عقیدت رکھنی چاہیے جو ہماری دنیوی واخروی زندگی میں مفید ہو؟ (ایک سائل)

جواب: قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ O الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ O﴾

یعنی ''اولیاء اللہ پر نہ (آنے والی زندگی سے متعلق) خوف ہوتا ہے اور نہ (گزری زندگی سے متعلق) کوئی غم (یہ) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔''

اس آیت کی روشنی میں اولیاء اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی دولت سے نوازے گئے ہیں، لہٰذا جو مؤمن جتنا زیادہ متقی ہو وہ اُتنا بڑا ولی ہوتا ہے۔ ایمان وتقویٰ کے علاوہ کوئی چیز یا علم کی کوئی خاص حد وغیرہ ولایت کے لیے شرط نہیں۔ اس معنی میں اولیاء اللہ ہر زمانہ میں دنیا کے مختلف علاقوں میں بہت سے لوگ ہوئے ہیں، البتہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان دو چیزوں یعنی ایمان وتقویٰ میں خاص مقام سے نواز دیتے ہیں، تو وہ خلق اللہ میں ولی کے طور پر مشہور ہوجاتے ہیں۔ آپ نے جن بزرگوں کے نام لکھے ہیں، اُن میں سے لعل شہباز قلندر اور امام بری رحمہما اللہ کے بارے میں ہمیں پوری معلومات نہیں، باقی بزرگ اُن بڑے درجہ کے اولیاء میں سے ہیں جو برصغیر میں گزرے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں کے لوگوں میں ان کی ولایت کو شہرت سے نواز دیا ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی اولیاء کرام گزرے ہیں مگر ان کے مقبروں پر ناجائز امور اور میلے کے سے سماں کا رواج نہیں، اس لیے عوام میں ان کی شہرت نہیں۔ برصغیر میں چونکہ بدعتی لوگوں کی کثرت ہے اس وجہ سے ان بزرگوں کے مزارات پر بدعات کا ارتکاب اور بدعتی لوگوں کا ہجوم زیادہ ہونے لگا ہے۔

باقی اولیاء اللہ کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اُمت کا وہ افضل ترین طبقہ ہے جس کے بارہ میں دل میں عقیدت واحترام اور محبت کے جذبات رکھنا نجات کا ذریعہ ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"المرء مع من أحبّ."

جو کسی سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسی کے ساتھ اُس کا حشر فرمائیں گے اور ایک اور حدیثِ قدسی میں ہے کہ:

”من آذیٰ لی ولیًّا فقد آذنته بالحرب.“

جو میرے کسی ولی کو ایذاء دیتا ہے میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ کی محبت و برکات سے نوازے۔

رشتے طے کرنے میں عوام کا رواج اور اسلامی تعلیمات:

سوال: ہمارے علاقے میں عموماً یہ رواج ہر برادری میں پایا جاتا ہے کہ رشتے صرف اپنی برادری میں ہی کیے جاتے ہیں، برداری سے باہر رشتہ کرنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے، پھر برادری میں بھی صلح، صفائی، رضا کے ساتھ طے نہیں کرتے بلکہ لڑائی، جھگڑا اور لمبے عرصے تک ناراضگیاں بنا کر کرتے ہیں اور عموماً آپس میں لے دے کرتے ہیں (یعنی رشتہ کے بدلہ میں رشتہ)، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک گھر آباد نہ ہوا تو دوسرا گھر بھی خراب ہوتا ہے اور دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں، کئی سرپرست اپنی لڑائیوں، جھگڑوں کی صلح میں بچیوں کا نکاح بچپن میں ہی کر دیتے ہیں کہ بڑے ہو کر انکار نہ کر دیں، ایسی صورت میں بچی کا مفاد اور اس کی خیر خواہی ہرگز مدِ نظر نہیں ہوتی، حتیٰ کہ رشتہ کی یہ تلخ صورت بھی کئی دفعہ پیش آجاتی ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کی بہن، بیٹی کی عزت لوٹی تو بدلہ میں مجبور ہو کر دوسری برادری والوں کو اپنی بہن، بیٹی کا رشتہ دینا پڑتا ہے جسے یہاں کے محاورہ میں وَنی کا رشتہ کہتے ہیں، بہرحال بہت عجیب بنیادوں پر رشتے طے پاتے ہیں، ابھی ہمارے ایک بھائی نے اپنے چچا کو قتل کر دیا ہے اور جیل میں ہے، اس وجہ سے کہ چچا نے اپنے بیٹے کیلئے ہم سے بہن کا رشتہ لیا، جبکہ بدلے میں اس نے بھی ہمارے بھائی کو رشتہ دینا تھا لیکن بڑوں کی کسی ناراضگی کی وجہ سے چچا نے رشتے سے انکار کر دیا تھا (ہائے بربادی)، کئی خاندانوں میں سگے بھائیوں کی رشتوں کے جھگڑوں کی وجہ سے بول چال، خوشی، غمی ختم ہے، بعض لڑکیوں کو خوب مار پیٹ

کر کے نکاح پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کیا اس کی اسلام میں گنجائش ہے؟ قرآن وحدیث میں صلہ رحمی کی بہت تعلیم آئی ہے تو کیا کسی آیت میں صراحتاً یا اشارۃً یا کسی حدیث میں ہے کہ یہ بھی صلہ رحمی میں داخل ہے کہ بہن بھائی ہیں اپنی اولاد کا رشتہ چاہتے نہ چاہتے آپس میں ہی کریں؟ نیز اسلام میں کفو کا کتنا لحاظ ہے، کیا کمہار لڑکی کا قصاب سے نکاح جائز ہے؟ ایک عالم سے سنا ہے کہ برادری کے لحاظ سے کفو کا کچھ اعتبار نہیں، بس عجم عجم کا کفو ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

بہرحال ہم نے اپنے معاشرے کا حال آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، آپ اس کا خوب جائزہ لیں، پھر فرمائیں کہ اس میں کیا جائز اور کیا ناجائز ہے؟ نیز ہمارا ایمان ہے کہ اسلام نے ہر معاملہ میں ہماری رہنمائی کی ہے، چنانچہ رشتہ ناطہ طے کرنے میں ہمیں اسلامی طریقہ کار کی تعلیم فرمائیں تاکہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوجائیں۔ (عبدالرشید ۔ خوشاب)

جواب: سوال میں رشتے ناطے کرنے کے جو طریقے ذکر کیے گئے ہیں یہ سب خلافِ شرع ہیں، خاص طور پر وَنی کا رشتہ تو لڑکی پر صریح ظلم ہے، اس طریقے سے لڑکی کو اپنے مفادات کی بھینٹ چڑھانے والے شرعاً سخت گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہیں، اور پھر بعض صورتوں میں تو سرے سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، ایسی صورت میں ساری عمر بدکاری کا گناہ ہوگا۔ اسی طرح وٹہ سٹہ (رشتہ کے بدلے میں رشتہ) میں بھی لڑکی کی رضامندی کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا، حالانکہ نکاح کے معاملے میں اس کی رضامندی کا خیال رکھنا ضروری ہے، اس کی مرضی کے خلاف رشتہ کرنا اس کی حق تلفی ہے۔ بہرحال معاشرے کے اس فضول اور ناجائز رسم ورواج کو ختم کرنا بے حد ضروری ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان کو ختم کرنے میں پوری کوشش کرے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان خرافات سے محفوظ رکھیں۔

باقی یہ کہنا کہ عجم میں برادری کے لحاظ سے کفوء کا اعتبار نہیں، یہ بات علی الاطلاق درست نہیں بلکہ عجم میں بھی قومیت کا اعتبار ہے اور اس کا مدار عرف وعادت پر ہے کہ عرف میں جب کسی قوم کو دوسری قوم کے

ہم پلہ نہ سمجھا جاتا ہو اور ان کے ساتھ نکاح کرنے کو عار سمجھا جاتا ہو تو وہ قوم دوسری قوم کا کفوء نہیں ہوگی، باقی بعض فقہاء نے یہ جو فرمایا ہے کہ عجم میں نسب کے اعتبار سے کفاءت نہیں یہ اس صورت میں ہے جب عام عرف میں نسب وقومیت کے فرق کا اعتبار نہ کیا جاتا ہو۔ اگر عرف میں نسب وقومیت کا اعتبار کیا جاتا ہو تو نکاح کے معاملے میں وہ شرعاً بھی معتبر ہوگا۔ (ماخذہ امداد الفتاویٰ:2/356)

نیز نسب وقومیت کے علاوہ درجِ ذیل اُمور میں بھی کفاءت معتبر ہے:

(1) دین داری

(2) پیشہ

(3) مال، مال میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا لڑکی کے مہر، نان ونفقہ وسکنی (رہائش) دینے پر قدرت رکھتا ہو، یہ مطلب نہیں کہ دونوں کے پاس مال ودولت برابر ہو۔

(4) باپ دادا کا مسلمان ہونا، یعنی وہ لڑکا جس کے باپ دادا مسلمان نہیں، وہ اس لڑکی کا کفوء نہیں جس کے باپ دادا مسلمان ہیں۔

واضح رہے کہ کفاءت لڑکی والوں کا حق ہے یعنی لڑکا لڑکی کے مقابلے میں کم حیثیت کا نہ ہو اور اگر لڑکی لڑکے کے مقابلے میں کم حیثیت کی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]